مساجد
اور
ائمہ کرام

تالیف
نورالحق رحمانی
استاذ المعہد العالی امارت شرعیہ

شائع کردہ
شعبۂ نشر واشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : مساجداورائمہ کرام
تالیف : مولانا نورالحق رحمانی صاحب
صفحات : ۲۸
ناشر : شعبۂ نشرواشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ

ملنے کا پتہ

مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
0612-2555351,2555668.Fax:2555280

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحات
۱	پیش لفظ	۴
۲	مسجد کی شرعی حیثیت	۶
۳	دنیا کی سب سے پہلی مسجد	۷
۴	اسلامی تاریخ کی سب سے پہلی مسجد، مسجد قبا	۸
۵	مسجد نبوی اور اس کی سادگی اور مرکزیت	۸
۶	دور حاضر میں مساجد کی تزئین وآرائش میں غلو	۱۰
۷	خطبۂ جمعہ اور اس کی اہمیت	۱۳
۸	خطیب کی ذمہ داری	۱۴
۹	خطاب میں طوالت سے اور فروعی اختلاف سے احتراز	۱۵
۱۰	امام وخطیب کی ذمہ داریاں	۱۶
۱۱	امام کیسا ہو	۱۶
۱۲	صفوں کی درستگی کی اہمیت	۱۷
۱۳	امام کا مقتدیوں کی رعایت کرنا	۱۹
۱۴	عصر حاضر میں امام کی ذمہ داریاں	۲۱
۱۵	مؤذن کی ذمہ داریاں	۲۲
۱۶	مسجد کے متولی اور مجلس منتظمہ کی ذمہ داری	۲۵
۱۷	تعمیر مسجد میں نمازیوں کی راحت وضرورت کی رعایت	۲۸

پیش لفظ

دین اسلام میں مسجد کو جو عظمت، مرکزیت اور تقدس حاصل ہے وہ دوسرے مقام کو حاصل نہیں۔قرآن پاک میں مسجد کو رشد وہدایت کا منبع اور خیر وبرکت کا سرچشمہ کہا گیا ہے اور مسجد آباد کرنے والوں کو اللہ کی ذات اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے کی سند دی گئی ہے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کو روئے زمین کا سب سے بہتر حصہ قرار دیا اور فرمایا کہ جو لوگ مسجد سے قلبی تعلق رکھتے ہیں، انہیں قیامت کے دن عرش الٰہی کا خصوصی سایہ نصیب ہوگا۔ان کے علاوہ تاریخ اسلامی کے ہر دور میں خصوصاً زمانۂ نبوت سے لے کر شروع کی چار صدیوں میں مسجد کی مرکزیت، جامعیت اور مسلمانوں کی زندگی میں اس کے ہمہ جہت اثرات اور فوائد کی جو تصویر سامنے آتی ہے اس سے صاف جھلکتا ہے کہ مسجد مسلمانوں کے لیے عبادت گاہ بھی تھی اور تعلیم گاہ بھی، وعظ وتبلیغ کا مرکز بھی تھی اور تربیت اخلاق وتزکیہ نفس کی خانقاہ بھی، اسی کی چھت کے نیچے مسند قضاء وافتاء بھی سجایا جاتا تھا اور لشکر اسلام کے نظم وترتیب کا کام بھی انجام پاتا تھا۔گویا مسجد مسلمانوں کے پورے نظام حیات کے لیے بنیادی کیل اور محور کی حیثیت رکھتی تھی، جس کے گرد زندگی برائے بندگی کی چکی چکر کاٹتی تھی، ایک اجنبی آدمی مسجد کے ماحول ہی کو دیکھ کر آبادی کے مسلمانوں کے علمی ذوق، دینی شغف اور ایمانی حرارت کو بخوبی محسوس کرلیا کرتا تھا۔امامت ایک دینی منصب اور اذان واقامت ایک عظیم اعزازی خدمت سمجھا جاتا تھا۔مسلمان مسجد کی ظاہری چمک دمک سے زیادہ اس کی باطنی رونق کے اضافہ پر توجہ دیتے تھے۔مسجد میں داخل ہوتے ہی کسی کنارے سے دعاؤں میں رونے والوں کی سسکیاں، تو کسی جانب سے ذکر وتلاوت کی گونج، کسی حصہ سے قال اللہ وقال الرسول کی صدا تو کسی گوشہ سے وعظ وتقریر کی آواز سنائی دینے لگتی تھی۔لیکن افسوس! اب مسجد کی اس باطنی رونق اور کلیدی کردار میں روز بروز کمی آتی جارہی ہے۔اب مسجدوں کی ظاہری ٹیپ ٹاپ، مناروں کی بلندی، قیمتی پتھروں اور خوشنما قمقموں کی

سجاوٹ میں ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی کی جارہی ہے۔ عالی شان سے عالی شان مساجد کی تعمیر میں ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جارہا ہے۔ لیکن اس کی باطنی رونق پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ فرض نمازوں کے بعد مسجدوں کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، جمعہ اور عیدین کا منظر بھی ایسا رسمی ہوگیا کہ لوگ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت حاضر ہوتے اور دوگانہ پورا کرتے ہی مسجد سے باہر آجاتے ہیں۔ قدم قدم پر مسجد کی امامت کا جھگڑا اور مؤذنین و معلمین کی اہانت کا مسئلہ پیدا ہورہا ہے۔ کتنی ساری مساجد صرف ارکان کمیٹی کی آپسی چپقلش کی وجہ سے ویران و بے رونق ہیں۔ نہ وقت پر اذان کی پابندی نہ جماعت کا نظام۔ یہ حالات صرف افسوسناک نہیں بلکہ عبرتناک بھی ہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمان بیدار ہوں، نظام مساجد کو بہتر بنائیں، اس کی باطنی رونق اور ہمہ جہت فوائد کو دوبالا کریں تاکہ معاشرہ میں زندگی برائے بندگی کا تصور عام ہو اور ہر مسلمان اپنی دینی زندگی کی بقاء کے لیے مسجد سے ربط و تعلق کو اسی طرح ضروری سمجھے جیسے مچھلی کی زندگی کے لیے پانی کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔

میرے دل میں برسوں سے یہ خواہش تھی کہ کوئی ایسا جامع رسالہ ترتیب دیا جائے جس کو پڑھ کر ایک عام مسلمان کے دل ودماغ میں بھی مسجد کی اصل تصویر، اس کی عظمت و مرکزیت، جمعہ و عیدین کے خطبات کی قدر و قیمت، مسجد کے ہمہ جہت معمولات اور اس کے اثرات نیز منصب امامت کی عظمت اور نظام مساجد کے تعلق سے ایک صحیح دینی فکر سامنے آسکے۔ ہم مشکور ہیں جناب مولانا نورالحق رحمانی استاذ المعہد العالی امارت شرعیہ کے کہ انہوں نے میرے مشورہ سے اس موضوع پر یہ جامع رسالہ ترتیب دے دیا ہے۔ مولانا کا قلم سنجیدہ، تحقیقی اور اسلوب آسان اور سہل ہے۔ انہوں نے اختصار اور جامعیت کے ساتھ موضوع کے ہر گوشے کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

ہماری دعاء ہے کہ اللہ مولانا موصوف کی اس علمی کاوش کو قبول فرمائے اور جس ہدف اور مقصد کے لیے یہ رسالہ ترتیب دیا گیا ہے اس میں کامیابی عطا کرے اور عوام وخواص ہر ایک کے لیے اس کی افادیت کو عام وتام فرمائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(آمین)

(مولانا) سید نظام الدین
امیر شریعت بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ، پھلواری شریف، پٹنہ
وجنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

بسم الله الرحمن الرحيم

مسجد کی شرعی حیثیت:

مسجد اللہ کا گھر ہے اور روئے زمین کا وہ مقدس حصہ ہے جسے خالق کائنات کی عبادت و بندگی کے لیے خاص کیا جاتا ہے۔ یہ ہر مؤمن کے لیے سایۂ رحمت اور اس کے طائر روح کا حقیقی نشیمن ہے۔ جہاں پہنچ کر اسے روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے اور اپنے خالق و مالک کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اس کا قلب چین وسکون محسوس کرتا ہے۔ اسلامی نظام میں مسجد صرف عبادت گاہ نہیں، بلکہ تمام اسلامی اعمال کی انجام دہی کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ مسجد اگر آباد ہے، نماز کے علاوہ دین کے دوسرے کام وہاں انجام پاتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آبادی میں اسلام زندہ ہے۔ مسجد کی حیثیت امت اسلامیہ میں قلب کی ہے یہ ہر مسلمان کا ملجا وماویٰ اور مبدأ ومعاد ہے۔ مسلم آبادی گردش کر کے مسجد جاتی ہے اور حیات نو لے کر اپنے گھر بار، اہل وعیال اور کاروبار کی طرف لوٹتی ہے۔ پھر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مسجد آتی ہے۔ یہ مرجعیت جسم انسانی میں قلب کو حاصل ہے، قلب جسم میں خون کی سپلائی کا سنٹر ہے۔ اسی طرح مسجد ایمان، ہدایت، تقویٰ اور اعلیٰ اخلاق کا مرکز ہے، مسجد سے یہ چیزیں لے کر مؤمن کارگاہ حیات میں قدم رکھتا ہے اور نور وہدایت اور خیر وبرکت تقسیم کرتا ہے، مسجد اسلام کا ایسا شعار ہے جس کی آبادی اسلام کی حیات وبقا کی ضامن ہے۔ لہٰذا مساجد کی تعمیر، ان کی تکریم وتعظیم، ان کی آبادی کی فکر ومحنت، ان کی خدمت، صفائی وستھرائی، حفاظت ونگرانی ایمان کی علامت اور دین کا اہم فریضہ ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

إنما يعمر مساجد الله من اٰمن بالله واليوم الآخر وأقام الصلاة وأتى الزكوة ولم يخش إلا الله فعسىٰ أولئك أن يكونوا من المهتدين. (سورۃ التوبہ:۱۸)

اللہ کی مسجدوں کی تعمیر وآبادی تو ان لوگوں کے حصے میں ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔ توقع ہے کہ یہی لوگ یقیناً ہدایت یافتہ ہیں۔

مسجد کی تعمیر کا مقصد صرف عمارت بنانا نہیں ہے، بلکہ جن بلند مقاصد کے تحت ان کی تعمیر ہوئی ہے ان کو بروئے کار لانا ہے۔ پس مساجد کی تعمیر ایک ایمانی عمل اور عظیم الشان دینی عبادت ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ جو شخص اللہ کی خوشنودی کے لیے مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں اسی جیسا گھر بناتے ہیں۔ (سنن الترمذی:۱-۷۳)

دنیا کی سب سے پہلی مسجد:

اس روئے زمین پر سب سے پہلی مسجد خانہ کعبہ ہے جس کے بارے میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

إن أول بيت وضع للناس للذى ببكة مباركا وهدى للعالمين فيه آيات بينات مقام ابراهيم ومن دخله كان امنا وللّٰه على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا. (آل عمران:۹۶-۹۷)

بیشک وہ پہلا گھر (معبد) جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ جو تمام دنیا کے لیے برکت اور ہدایت والا ہے۔ اس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے لیے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے، جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہیں۔

یہ دنیا کا سب سے پہلا گھر، مسلمانوں کا دائمی قبلہ اور ان کا مرجع و ماویٰ ہے، کہ ساری دنیا کے مسلمان اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ ہر سال پوری دنیا کے مسلمان اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور فریضہ حج ادا کرتے ہیں۔ ان کی نشانیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ہدایت و خیر و برکت لے کر اپنے گھروں کو واپس آتے ہیں۔ سب سے پہلے اس کی تعمیر فرشتوں کے ہاتھ سے ہوئی، پھر ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام نے اس کی تجدید فرمائی۔ طوفان نوح میں اس کی عمارت منہدم ہوگئی یا اٹھالی گئی، پھر یہ جگہ ایک ٹیلہ کی شکل میں باقی رہی، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ از سر نو اس کی تعمیر فرمائی، پھر بعثت نبوی سے کچھ قبل جب سیلاب کی وجہ سے اس کی عمارت متاثر ہوئی تو قریش مکہ

نے ازسرنو اس کی تعمیر کی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک رہے۔اس کعبہ کی ایک نماز ایک لاکھ کے برابر قرار دی گئی۔

اس سلسلہ کی دوسری اہم کڑی بیت المقدس ہے جسے انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ اور پھر مسلمانوں کا قبلہ اول ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس کی تعمیر بھی انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں ہوئی پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چھوٹے فرزند سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہمراہ اس کی تعمیر فرمائی، جس کا زمانہ کعبۃ اللہ کی تعمیر کے چالیس سال بعد کا ہے۔ پھر اس کی مزید توسیع وتعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے حصے میں آئی، اس کی ایک نماز پچاس ہزار نماز کے برابر قرار دی گئی۔

اسلامی تاریخ کی سب سے پہلی مسجد، مسجد قبا:

نبی آخرالزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو پہلے قبا میں چند دنوں قیام فرمایا، جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور وہاں ایک مسجد تعمیر فرمائی جو اسلامی تاریخ کی سب سے پہلی مسجد ہے۔اور جس کی فضیلت میں سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

لمسجد أسس على التقوىٰ من أول يوم أحق أن تقوم فيه فيه رجال يحبون أن يتطهروا والله يحب المطهرين. (التوبہ:۱۰۸)

البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

مسجد نبوی اور اس کی سادگی اور مرکزیت:

قبا میں چند دنوں قیام فرما کر جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سب سے پہلے تعمیر مسجد ہی کی فکر ہوئی۔حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس جہاں

آپ کا قیام تھا خاندان بنی النجار کے دو یتیم بچوں سہلؓ اور سہیلؓ کی ایک افتادہ زمین تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی مسجد کے لیے پسند فرمایا اور ان دونوں یتیموں سے اور ان کے ذمہ دار سے اس سلسلہ میں بات چیت کی، وہ دونوں تعمیر مسجد کے واسطہ بلا قیمت اپنی زمین نذر کرنے کے لیے تیار ہو گئے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا قیمت لینا گوارہ نہ کیا، بلکہ قیمت ادا کرنے کے بعد تعمیر کا کام شروع کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس کا سنگ بنیاد رکھا اور اپنے اصحاب کرام کی معیت میں بنفس نفیس تعمیر کا کام انجام دیا یہ بالکل سادہ قسم کی عمارت تھی۔ کچی اینٹوں کی دیواریں، کھجور کے ستون اور کھجور ہی کے پتوں کی چھت، سادگی کی منھ بولتی تصویر، جس میں نہ نقش ونگار تھے، نہ پھول پتیاں، نہ جھاڑ وفانوس، ہر قسم کے تکلفات سے پاک۔ اسی مسجد کے ایک سرے پر ایک چبوترہ تعمیر کیا گیا جو چھت دار تھا اور جو ان فقراء مہاجرین صحابہ کا ماویٰ ومسکن تھا جن کے گھر بار نہیں تھے، اور جو خالی ہاتھ مکہ سے ہجرت فرما کر تشریف لائے تھے، اسی طرح وہ نومسلم صحابہ کا بھی مسکن تھا گویا یہ صفہ ان کی قیام گاہ بھی تھا اور درس گاہ بھی۔ وہ اس میں شب وروز اور صبح وشام قرآن وسنت کا علم حاصل کرتے تھے۔ اس طرح یہ مسجد اور مدرسہ تمام اسلامی، علمی، دینی، دعوتی اور تعلیمی وتربیتی سرگرمیوں کا مرکز تھے اور اسلامی زندگی کی روح اور ناقابل تسخیر قلعہ بھی، جہاں اذان واقامت کے ساتھ پنج گانہ نماز باجماعت ادا کی جاتی، جمعہ کے دن خطبہ ہوتا، اس کے علاوہ بھی حسب ضرورت صحابہ کو خطاب فرمایا جاتا اور ضروری ہدایات دی جاتیں۔ ضروری امور ومعاملات میں مشورے ہوتے، مجاہدین اسلام کو فوجی تربیت دی جاتی، جہاد کے لیے فوجی دستے یہاں سے روانہ کئے جاتے، وفود یہیں اترتے اور ٹھہرتے، یہیں سرور کونین کا دربار لگتا، یہیں مقدمات کے فیصلے ہوتے اور جھگڑوں کا تصفیہ کیا جاتا۔ اس طرح یہ عبادت گاہ بھی تھی اور دعوت وتبلیغ کا مرکز بھی، تعلیمی یونیورسیٹی بھی، دارالافتاء بھی اور مقدمات کے فیصلے کی جگہ بھی۔ یہ تمام اہم خدمات اس مبارک مسجد سے لی جارہی تھی، ضرورت ہے کہ آج انہیں پھر سے زندہ کیا جائے تاکہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ تعمیر مسجد ایک بڑی عبادت ہے، ایمان کی علامت اور بے پایاں اجر وثواب کا باعث ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ خلفاء راشدین اور اولیاء اللہ نے اس میں حصہ لیا اسی

طرح امراء وسلاطین نے ہر دور میں یہ خدمت انجام دی، چنانچہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان جاری کیا کہ ہر شہر میں مسجد تعمیر کی جائے۔

عن عطاء لما فتح اللّٰہ الأمصار علی عمر أمر المسلمین أن یبنوا المساجد. (کشاف:۱/۴۰۸، تفسیرات احمدی:۲۸۳)

حضرت عطا سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شہروں کو فتح کرایا تو انہوں نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مساجد تعمیر کریں۔

دور حاضر میں مساجد کی تزئین وآرائش میں غلو:

قرون اولیٰ میں جو مسجدیں تعمیر ہوئیں وہ سادگی کی منھ بولتی تصویر تھیں۔ اپنی وسعت اور عظمت کے باوجود ظاہری آرائش وزیبائش اور رنگ وروغن سے پاک۔ آج کے دور میں بھی وسیع پیمانے پر تعمیر مساجد کا کام انجام پا رہا ہے لیکن آج کا المیہ یہ ہے کہ ظاہری تزئین وآرائش پر خطیر رقمیں صرف کی جارہی ہیں لیکن اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل ہے، یا ان کی طرف بہت کم توجہ دی جارہی ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ امت کے علماء لوگوں کے ذہن کو اصل مقصد کی طرف مائل کریں اور ظاہری نقش ونگار اور فخر ومباہات سے جو قیامت کی نشانی بتائی گئی ہے امت کو بچانے کی کوشش کریں۔ کیوں کہ اس سلسلہ میں اصل نظیر مسجد نبوی ہے جو ظاہری چمک دمک اور تکلّفات سے بالکل خالی ہے مساجد کی یہ آرائش وزیبائش جس کے بارے میں آج غلو پایا جاتا ہے یہ خطرہ کی بات ہے۔ آج بعینہٖ وہی صورت حال ہے جس کی پیشن گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، کہ اگر کسی بستی اور آبادی میں بڑی اور عالی شان مسجد بن گئی تو قرب وجوار کی بستیوں کے لوگ اس سے بہتر مسجد بنانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں بلکہ بعض آبادی میں تو ایسا دیکھا گیا کہ اچھی خاصی مسجد بنی ہوئی ہے لیکن دوسروں کی دیکھا دیکھی اسے منہدم کرکے دوسری عالی شان مسجد بنانا چاہ رہے ہیں یہ وسائل کا غلط استعمال اور پیسوں کا ضیاع ہے۔ بڑے شہروں میں نہیں بلکہ دیہاتوں اور قریوں میں اتنی بڑی بڑی مسجدیں بن رہی ہیں جن کی مقامی آبادی کے لحاظ سے کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ یہ اسراف اور فضول خرچی نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمیں ان وعیدوں کو

پیش نظر رکھنا چاہئے جواحادیث میں وارد ہوئی ہیں۔چنانچہ بخاری شریف کی ایک روایت ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

یتباھون ثم لایعمرونھا إلا قلیلا .(بخاری:۱/۶۴)

لوگ مساجد پرفخر کریں گے لیکن ان کی آبادی (ذکروعبادت) کی طرف کم لوگوں کی توجہ ہوگی۔

بلکہ جب امت میں بگاڑ آئے گا تو مساجد کی تزئین وآرائش کی طرف زیادہ توجہ ہوگی،ابن ماجہ شریف کی روایت ہے:

ما ساء عمل قوم قط إلا زخرفوا مساجدھم. (سنن ابن ماجہ باب تشیید المساجد:۵۴،اشرفی بک ڈپو،دیوبند)

جب کسی قوم کے اعمال بگڑتے ہیں تو وہ اپنی مساجد کوآراستہ کرتی ہے۔

بہرحال مساجد پرفخر ومباہات قیامت کی علامت ہے۔ابن ماجہ اورابوداؤد کی روایت ہے:

لاتقوم الساعۃ حتی یتباھی الناس فی المساجد. (حوالہ سابق، (ابوداؤد باب فی بناء المساجد، کتاب الصلاۃ :۶۵۱، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ لوگ مساجد کے سلسلہ میں ایک دوسرے پرفخر نہیں کریں گے۔

مساجد کی تزئین ونقش ونگار کواس لیے ناپسند کیا گیا کہ جب اس کی طرف توجہ ہوگی اوراس سلسلہ میں مبالغہ ہوگا تو مقصد اصلی یعنی ان کی اصل آبادی اورنماز میں خشوع وخضوع جوعبادت کی روح ہے اس کا فقدان ہوگا اسی بناپر مسجد کے محراب اوراس کی دیواروں کومنقش کرنے اورگل کاری کرنے کوناپسند کیا گیا۔فقہ حنفی کی مشہور کتاب البحرالرائق میں ہے:

والأولی أن تکون حیطان المسجد أبیض غیر منقوشۃ ولامکتوبۃ علیھا ویکرہ أن تکون منقوشۃ بصورو کتابۃ.(۵/۲۵۱)

بہتر یہ ہے کہ مسجد کی دیواریں سفید اورنقش ونگار سے خالی ہوں اوران پرکوئی تحریرنہ ہواورتصویراورکتابت سے منقش کرنامکروہ ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''تعمیر مسجد میں احتیاط سے کام لیں کہ وہ مطلا ومزین کی حد کو پہنچنے نہ پائے اس کی دیواروں اور چھتوں پر سونے کا پانی نہ چڑھائیں اور نہ پھول پتیوں سے آراستہ بنائیں اور نہ نیلے رنگ وغیرہ سے رنگین ہی کریں۔ کیوں کہ اس طرح کی چیزیں مسجد کو تماشا گاہ کے درجہ میں کر دیتی ہیں۔اور یہی وجہ ہے کہ امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی تجدیدات عمارت کے وقت تاکید کر دی تھی کہ مسجد ایسی ہو جو لوگوں کی بارش وغیرہ سے حفاظت کرے،خبردار سرخ زرد رنگوں سے رنگین مت بنانا کہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے''۔(تفسیر عزیزی پارہ اول:۲۴۲)

شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ اس سلسلہ کی ایک حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

''مسجد کے محراب کی تزئین اور اس کی دیواروں کو منقش بنانا ایسی چیزیں ہیں جو نمازیوں کی توجہ اپنی طرف جذب کر لیتی ہیں۔لہٰذا محراب اور دیواروں کی تزئین نیز نقش ونگار بنانا مکروہ ہے۔کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی منقش چادر کو دور کرتے ہوئے یہی علت بیان فرمائی تھی''۔(نووی شرح مسلم:۲۰۸/۱)

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ مساجد ومعابد کے سلسلہ میں خصوصاً شرعی حدود پر قائم رہیں اور اسراف وفضول خرچی سے بالکلیہ پرہیز کریں۔

خطبۂ جمعہ اوراس کی اہمیت

اسلام وحدت واجتماعیت کا مذہب ہے۔اس کی تمام عبادتوں میں اجتماعیت کی روح کارفرما ہے۔ جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کے لیے روزانہ مسجد میں پنج وقتہ حاضری اور ہر ہفتہ نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد میں حاضری، پھر سال میں دومرتبہ عیدین کا اجتماع، پھر ہر سال بیت اللہ میں حج کا عالمی اجتماع، یہ عبادت الٰہی کا ایک ایسا دل کش، روح پرور اور بے مثال اجتماع ہے جو روز محشر کی یاد دلاتا ہے۔ ہفتہ وار اجتماع کے لیے جمعہ کے دن کا انتخاب کیا گیا جو تمام دنوں کا سردار ہے، جو صحیح حدیث کی رو سے ان تمام ایام میں سب سے اچھا دن ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے، جس دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، جس میں انہیں جنت میں بسایا گیا اور جس میں انہیں وہاں سے نکال کر روئے زمین پر لایا گیا اور جس دن اس کائنات کی بساط لپیٹی جائے گی اور قیامت قائم ہوگی، اس دن ایک گھڑی ایسی آتی ہے جس میں انسان جو دعاء کرے اور اپنے پروردگار سے جو کچھ مانگے قبول ہے۔ جمعہ کی ان خصوصیات کی وجہ سے اسے ہفتہ وار اجتماع کے لیے منتخب کیا گیا۔ مکہ معظّمہ میں جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جمعہ کی فرضیت نہیں ہوئی، اس لیے کہ وہاں مسلمان مظلوم ومغلوب تھے، چھپ چھپا کر نماز ادا کرتے تھے تو جمعہ کی فرضیت کا کیا سوال تھا۔ ہجرت کے موقع پر جمعہ فرض ہوا، مکہ سے رخصت ہوکر پہلے آپ قبا تشریف لائے اور چند دنوں قیام فرمایا اور وہاں اسلامی تاریخ کی پہلی مسجد، مسجد قبا کی تعمیر فرمائی، پھر جمعہ کے دن مدینہ منورہ کا رخ کیا، راستے میں بنی سالم کے محلّہ میں نماز کا وقت ہوگیا تو وہیں جمعہ کی نماز ادا فرمائی، نماز سے قبل خطبہ دیا، یہ پہلی نماز جمعہ اور پہلا خطبہ تھا۔ خطبہ، نماز جمعہ کے لیے شرط اور لازم ہے اور حاضرین کے لیے اس کا سننا واجب ہے۔ خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کے رسول برحق پر درود وسلام اور پھر مسلمانوں کے لیے تذکیر وموعظت ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خطبات منقول ہیں ان میں حمد وثناء کے ساتھ ہر موقع

محل کے لحاظ سے مسلمانوں کونصیحت ہے، خطبہ کے سلسلے میں بھی علماء میں اختلاف رائے پایاجاتا ہے، کچھ حضرات جمعہ کے خطبے کوعربی ہی میں لازم قرار دیتے ہیں جب کہ دوسرے حضرات عربی کے علاوہ کسی بھی دوسری مقامی زبان میں خطبہ دینے کی اجازت دیتے ہیں، دونوں نقطۂ نظر کے حاملین کے پاس دلائل ہیں۔ ہمیں اس اختلاف میں نہیں پڑنا ہے۔ کہیں مکمل خطبہ اگرعربی میں ہوتا ہے تو خطبہ سے قبل پندرہ بیس منٹ مقامی زبان میں حالات حاضرہ کی مناسبت سے پندونصائح ہوسکتے ہیں ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

خطیب کی ذمہ داری:

خطیب کوعلم وعمل کا جامع، متدین اور خداترس، ذی وجاہت اور باوقار ہونا چاہئے تاکہ اس کی بات لوگوں پراثرانداز ہو، بہتر یہ ہے کہ وہ عالم دین ہوتا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں امت کی صحیح رہنمائی کرسکے، لیکن باقاعدہ عالم ہونا شرط نہیں ہے کوئی بھی تعلیم یافتہ اور دین دار جو دین کا بنیادی فہم رکھتا ہواور وقت اور حالات کے لحاظ سے امت کی رہنمائی کرسکتا ہو وہ خطبہ کا اہل ہے۔

بہرحال یہ خطبہ بڑی اہمیت کا حامل ہے جس کے ذریعہ ہر ہفتہ عوام الناس تک، بلکہ ہر طبقہ کے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچایاجاسکتا ہے اورامت کی اصلاح وتربیت کا عظیم کام انجام دیاجاسکتا ہے۔ یہ پوری امت تک ہر ہفتہ پیغام رسانی کا وہ فطری اور سائنٹفک نظام ہے جو دوسری کسی قوم کے پاس نہیں ہے، ایک ایک ملک میں لاکھوں مساجد کے ممبروں سے حالات کے تقاضے کے مطابق ہر ہفتہ دینی پیغام نشر ہوتا ہے اور لاکھوں، کروڑوں افراد تک پہنچتا ہے۔ اس خطبے کو اگر حکمت عملی کے ساتھ اور منصوبہ بندی کے ساتھ مرتب اور منظّم کیا جائے تو اس سے امت کی بہت سی مشکلات حل ہوسکتی ہیں، یہ خطبہ نہ رسمی تقریر ہے کہ جس میں کسی بات کو ثابت کرنے کے لیے دلائل کی بھرمار ہوتی ہے اور اچھا خاصا وقت مطلوب ہوتا ہے، نہ تدریس ہے کہ ایک بات بچوں کے ذہن نشیں کرنے کے لیے بار بار اس کا اعادہ ہو، بلکہ یہ تذکیر وموعظت ہے، موت اور آخرت کی یاددہانی ہے، قرآن اور حدیث میں خطبہ جمعہ کے لیے ذکر اور تذکیر ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ جمعہ میں فرمایا گیا: اذا نودی

للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا إلی ذکر اللہ. (سورۃ الجمعۃ:۹) جمعہ کے دن جب نماز کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو۔ اسی طرح مسلم شریف کی حدیث جو حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (جمعہ اور عیدین میں) دو خطبے دیتے تھے، ان دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے، قرآن پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے۔ **کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القرآن ویذکر الناس.** (صحیح مسلم کتاب الجمعۃ) اس حدیث میں بھی تذکیر کا لفظ آیا ہے۔ لہٰذا اس میں اختصار مطلوب ہے کہ حالات کے لحاظ سے قرآن کریم کی کسی آیت یا کسی جامع حدیث کا انتخاب کیا جائے اور محض پندرہ بیس منٹ میں فکری اور عملی بات کی جائے۔

خطاب میں طوالت سے اور فروعی اختلاف سے احتراز:

بات زیادہ لمبی نہ ہو کہ آج کل آدمی بہت مصروف ومشغول ہے، ضروری کاموں کو چھوڑ کر لوگ مختصر وقت کے لیے آتے ہیں۔ لمبی چوڑی تقریر سے لوگ اکتاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ خطیب کا کمال یہ ہے کہ تھوڑے وقت میں قوم کے سامنے کام کی بات پیش کردے۔ معاشرہ میں جو بگاڑ ہو خیر خواہی کے ساتھ لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلائے اور اصلاح حال پر انہیں آمادہ کرے۔ اپنے گھر بار، اہل وعیال، متعلقین اور سماج سے متعلق ان کی جو ذمہ داریاں ہیں انہیں یاد دلانے اور ادا کرنے کی تلقین کرے، اصل یہ ہے کہ لوگوں کا تعلق مالک حقیقی سے جوڑنے کی کوشش کی جائے، اللہ کے گھر کو آباد کرنے پر ابھارا جائے، اللہ اور رسول کی اطاعت وفرماں برداری کی ترغیب دی جائے اور سیرت وسنت کو اپنانے اور رسم ورواج کو چھوڑنے کا ذہن بنایا جائے۔ اس پندرہ بیس منٹ کی پند ونصیحت اور تذکیر سے قوم کو جو فائدہ پہنچ سکتا ہے، وہ بڑے بڑے جلسوں اور کانفرنسوں سے نہیں پہنچ سکتا، جلسوں کی افادیت وقتی اور عارضی ہوتی ہے اور جمعہ کے خطبہ کی افادیت مستقل اور پائدار ہے، مختلف ایام وشہور کے جو فضائل کتاب وسنت میں وارد ہیں ان سے متعلق مستند اور صحیح احادیث لوگوں کے سامنے پیش کرے اور سیرت نبوی کے مستند واقعات کو بنیاد بنائے، عقائد کی اصلاح پر زور دے، ایمان ویقین کو لوگوں کے دل ودماغ میں راسخ کرنے کی کوشش کرے، عقیدۂ آخرت کو اہتمام سے بیان کرے اور ترتیب کے ساتھ

ایمانیات ،عبادات ،معاشرت، معاملات ،اخلاقیات اور دین کے دیگر شعبوں کو سمجھائے، دین کوایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کرے، خطبہ میں ملت کی اجتماعی ضرورتوں کو پیش نظر رکھے،تعلیم کی اہمیت سمجھائے، جہالت وناخواندگی کودور کرنے پرابھارے اس کے نقصانات سے لوگوں کوآگاہ کرے،خطبہ میں متفق علیہ مسائل پر روشنی ڈالے،مختلف فیہ مسائل کوموضوع سخن نہ بنایا جائے۔خطبہ میں کسی خاص فرد اور جماعت کونشانہ نہ بنائے نہ کسی کا نام لے، کسی مسلک کے لوگوں کے خلاف جارحانہ کلمات استعمال نہ کرے، نہ ان کی دل آزاری کرے، ایسے مختلف فیہ مسائل کو نہ چھیڑے جن سے لوگوں میں انتشار پیدا ہونے کا خطرہ ہواور کوئی فتنہ رونما ہو۔

امام وخطیب کی ذمہ داریاں:

اسلام میں امامت کا منصب بڑی عظمت اوراہمیت کا حامل ہے،اس لیے کہ خودرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھرامامت فرمائی اور اپنے وجود باسعود سے اس منصب کو زینت بخشی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء راشدین نے اس کورونق بخشی اورمسجد نبوی میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیا۔خلافت راشدہ کے زمانہ میں جتنے والی اور گورنر منتخب کرکے دوسرے مقامات میں بھیجے جاتے وہ سب اپنی قوم کے امام ہوتے اوران کے فرائض میں نماز کی امامت اور جمعہ کا خطبہ شامل ہوتا،اور ہر دور میں خصوصاً قرون اولیٰ میں امت کے علماءاور صالح ترین افرادکواس منصب پر فائز کیا گیا۔امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اوراللہ تعالیٰ کے درمیان اور مقتدیوں کے درمیان قاصد ہے۔وہ تمام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہوتا ہے۔ مقتدی کی نماز کی صحت وفساد کا انحصاراس کی نماز کی صحت وفساد پر ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:**الإمام ضامن و المؤذن مؤتمن.** (سنن ترمذی:۱/۵۱)یعنی امام ضامن ہےاور مؤذن امین ہے۔

امام کیسا ہو؟:

امام ایسے شخص کو بنایا جائے جس کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ وہ منصب امامت کے لائق ہےاوراس اہم ونازک ذمہ داری کوادا کرنے کے لیے جن شرائط اور صلاحیتوں کی ضرورت ہے

ان سے وہ متصف ہے۔اس لیے امام کے انتخاب میں بہت احتیاط،غور وفکر اور تحقیق وتفتیش کی ضرورت ہے۔

"**إن سركم أن تقبل صلوتكم فليؤمكم علماء كم فإنّهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم**". (رواہ الطبرانی)

اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ تمہاری نماز مقبول ہو تو چاہئے کہ تمہارے علماء تمہاری امامت کریں،اس لیے کہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان قاصد ہیں۔

اور حاکم کی روایت ہے:

"**فليؤمكم خياركم**". یعنی تمہارا امام وہ بنے جو تم میں سب سے بہتر ہو۔

اچھے لوگوں کی موجودگی میں ان سے کم درجہ کے لوگوں کی امامت شرعاً ناپسندیدہ ہے اور اس کو قوم کی پستی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا:

"**إذا أمّ الرجل وفيهم من هو خير منه لم يزالوا في سفال**". (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ)

جس کسی قوم کی امامت وہ شخص کرے جس سے بہتر اور افضل شخص اس قوم میں موجود ہو تو وہ قوم ہمیشہ پستی میں رہے گی۔

امامت کے جو شرائط شرعاً مطلوب ہیں ان میں سے اہم یہ ہے کہ وہ نماز کے مسائل، شرائط،فرائض،ارکان وواجبات،سنن ومستحبات اور مکروہات ومفسدات (نماز کو فاسد کرنے والی چیزوں) سے پوری واقفیت رکھتا ہو،قرآن صحیح پڑھتا ہو، دین دار اور خدا ترس ہو، فاسق وفاجر اور کبیرہ گناہوں کا مرتکب نہ ہو، نہ صغیرہ گناہوں پر اصرار کرتا ہو۔مقتدی اسے پسند کرتے ہوں اور اسے اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہو۔بہتر یہ ہے کہ امام قرآن اور حدیث کا عالم ہو،اگر ایسا نہ ہو تو کم از کم مذکورہ بالا مسائل کی واقفیت رکھتا ہو، نیز امام ایسی کتابوں کا وقتاً فوقتاً مطالعہ کرتا رہے تاکہ وہ اپنے فرائض کو صحیح طور پر انجام دے سکے۔

صفوں کی درستگی کی اہمیت:

صفوں کی ترتیب اور درستگی کا پورا خیال رکھے۔صف بندی میں درمیان میں کوئی خلل اور کشادگی نہ رہنے دے،لوگوں کو ایک دوسرے سے مل کر اور کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے

ہونے کی تلقین کرے۔آج کے دور میں عام طور سے اس سلسلہ میں بہت سستی برتی جاتی ہے اورصفوں کی درستگی کا مطلق خیال نہیں رکھا جاتا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اورخلفاء راشدین اس کا بڑا خیال رکھتے تھے۔مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن النعمان بن بشیر قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یسوّی صفوفنا حتی کأنما یسوی بها القداح حتی رای انّا قد عقلنا عنه ثم خرج یوما فقام حتی کادأن یکبر فرایٰ رجلا بادیا صدره من الصف فقال:عباداللّٰه لتسوُّنَّ صفوفکم أو لیخالفن اللّٰه بین وجوهکم. (رواہ مسلم،مشکوٰۃ:۱/۹۸)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کواس طرح درست فرمایا کرتے تھے گویا تیر بھی ان صفوں سے سیدھا کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ ہم بھی آپ سے (صفوں کے برابر کرنے کی اہمیت) سمجھ گئے،ایک دن آپ تشریف لائے اورنماز کے لیے کھڑے ہوگئے اورتکبیر تحریمہ کہنے ہی کو تھے کہ ایک آدمی کا سینہ صف سے کچھ نکلا ہوا آپ نے دیکھ لیا، چنانچہ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں سیدھی کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔

عن أبی أمامة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم .....سوّوا صفوفکم وحاذوا بین مناکبکم ولینوا فی أیدی إخوانکم وسدّوا الخلل فإن الشیطان یدخل فیما بنکم بمنزلة الخذف یعنی أولادالضان الصغار .رواه احمد. (حوالہ سابق:۹۸-۹۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی صفیں سیدھ کرواورکندھا کندھے کے محاذ میں رکھواوراپنے بھائیوں کے لیے نرم ہوجاؤاورخالی جگہوں کو پُر کرلواس لیے کہ شیطان تمہارے درمیان (خالی جگہوں میں) اس طرح داخل ہوجاتا ہے جیسے کہ بھیڑ کے چھوٹے بچے۔

عن أنس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: رُصّوا صفوفکم وقاربوا بینها، وحاذوا بالأعناق فوالذی نفسی بیده أنی لأری الشیطان یدخل من خلل

الصف کأنها الخذف رواه ابو داؤد،(حوالہ سابق:۹۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی صفوں کو درست کرو اور قریب قریب ہو کر کھڑے ہو اور کندھا کندھے کے مقابلے میں رکھو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ بکری کے بچہ کی طرح صفوں کے درمیان خالی جگہوں میں گھس جاتا ہے۔

امام کا مقتدیوں کی رعایت کرنا:

امام نماز میں قرأت نہ بہت لمبی کرے نہ بالکل مختصر، بلکہ اعتدال کی راہ اختیار کرے، عام حالات میں قرأت مسنونہ کی رعایت کرے، یعنی فجر اور ظہر کی نمازوں میں طوال مفصل میں سے قرأت کرے (یعنی سورۂ حجرات سے والسماء ذات البروج تک کی کوئی سورت پڑھے) اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل سے قرأت کرے (یعنی سورۃ والسماء والطارق سے سورۂ البینۃ (لم یکن الذین کفروا) تک کی کوئی سورت پڑھے اور مغرب میں قصار مفصل سے قرأت کرے (یعنی سورۃ الزلزال سے سورۃ الناس تک کی کوئی سورت پڑھے۔ اگر ضرورت متقاضی ہو تو مزید مختصر کرسکتا ہے۔ جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب بچوں کے رونے کی آواز سنتے تو نماز میں اختصار فرماتے۔ اسی طرح رکوع اور سجود کی تسبیحات اتنی لمبی نہ کرے کہ لوگ اکتا جائیں اور نہ اتنی تخفیف کرے کہ نماز کا کمال اور خشوع وخضوع فوت ہو جائے، قیام وقعود اور رکوع وسجود میں تعدیلِ ارکان کا خیال رکھے۔ اتنی عجلت نہ کرے جس سے نماز کے کمال میں خلل واقع ہو۔ خلاصہ یہ کہ نماز کی ترتیب ایسی بنائے کہ مقتدیوں میں سے کمزور آدمی کے لیے بھی قابل تحمل ہو اور اس کی قوت واستطاعت سے باہر نہ ہو۔

امام کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اخلاق واطوار، طرز عمل، رہن سہن، روز مرہ کے معمولات اور لوگوں کے ساتھ سلوک، غرض زندگی کے ہر مرحلہ میں سنت نبوی کی پیروی کرے۔ کیوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے۔ اپنے رویے اور سلوک اور حکمت عملی سے تمام نمازیوں کا ان کے مرتبہ کے مطابق خیال رکھے۔ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جس کی وجہ سے اس کے خلاف لوگوں میں نفرت اور بیزاری پیدا ہو، اس لیے کہ ایسا شخص بدترین امام ہے جو اس حال

میں لوگوں کی امامت کررہا ہو کہ لوگ اس سے متنفر اور بیزار ہوں۔ چنانچہ ابوداؤد شریف کی حدیث ہے:

عن عبداللّٰہ بن عمرو أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول: ثلاثۃ لایقبل اللّٰہ منھم صلاۃ: من تقدم قوماً وھم لہ کارھون. الحدیث. (ابوداؤد کتاب الصلاۃ: ۱۔۸۸)

حضرت بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: تین قسم کے لوگوں کی نماز اللہ قبول نہیں کرتا۔ ایک وہ شخص ہے جو اس حال میں کسی قوم کی امامت کرے کہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں۔

اگر مسجد کے حلقے میں مختلف مسلک ومشرب اور مکتب فکر کے لوگ ہوں تو ممکن حد تک سب کی رعایت کرے، مسلک ومشرب کے فروعی اختلاف کو ہوا نہ دے، بلکہ وحدت کلمہ کی بنیاد پر پوری امت کو جوڑے رکھے، امت کے اتحاد اور شیرازہ کو منتشر نہ ہونے دے، امت کی اجتماعیت اور شیرازہ بندی اسے دل وجان سے عزیز ہو، اگر کبھی کوئی فروعی اختلاف، گروہی عصبیت یا سیاسی اختلاف سر اٹھائے تو انتہائی دردمندی، دل سوزی، دوراندیشی اور حکمت عملی سے اسے دور کرنے کی بھرپور کوشش کرے، ہمیشہ حق کا ساتھ دے، کسی فریق کی ناحق حمایت اور طرف داری نہ کرے، سیاسی طور پر اگر لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہو تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے اختلافی مسائل میں خاموشی اختیار کرے یا پھر دیانت داری کے ساتھ جس بات کو حق سمجھے اور جس میں ملک وملت کا فائدہ نظر آئے اس کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرے۔ عام لوگوں کے ساتھ زیادہ اختلاط نہ رکھے، اپنے عالمانہ وقار اور داعیانہ کردار کو ہمیشہ ملحوظ رکھے، اگر سیاسی طور پر دو نقطۂ نظر کے حامل افراد ہوں اور جماعت میں اتفاق کی صورت پیدا نہ ہو سکے تو اس طرح کے اختلاف کو گوارہ کرتے ہوئے دونوں فریق کو متحد رکھے۔ مسلمانوں کو باہم متحد رکھنا اور ان کے اختلاف کو دور کرنا اور غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا اور اصلاح ذات البین امام کی اہم ذمہ داری ہے۔ صحابہ میں کوئی اختلاف رونما ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود سے وہاں پہنچ کر سمجھا بجھا کر باہم صلح صفائی کراتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ درج ذیل ہے:

روی عبد الرحمٰن بن أبی بکرعن أبیه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج من بیته لیصلح بین الأنصار فرجع وقد صلی فی المسجد بجماعة فدخل رسول الله صلی الله علیه وسلم فی منزل بعض أهله فجمع أهله فصلی بهم جماعة. (حاشیہ ردالمحتار للشامی)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکل کر انصار کے محلے میں تشریف لے گئے تا کہ ان میں صلح کرادیں اور صلح صفائی کرا کے جب واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ مسجد میں جماعت ہوچکی ہے، چنانچہ اپنے لوگوں میں سے کسی کے گھر لوگوں کو جمع کر کے نماز با جماعت ادا کی۔

عصر حاضر میں امام کی ذمہ داریاں:

آج کے دور میں خصوصاً اس ملک میں امام کی ذمہ داری اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ یہاں اسلامی حکومت نہیں ہے، اسلامی حکومت ہوتو لوگوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام، نئی نسل کو دینی تعلیم وتربیت سے آشنا کرنے کا کام، سماج اور معاشرے کی اصلاح کی کوشش حکومت پر عائد ہوتی ہے، اور حکومت اس کا نظم کرتی ہے۔ لیکن جہاں حکومت اسلامی نہ ہو وہاں مساجد کے ائمہ کرام کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ اس میں امام اکبر یعنی امیر المؤمنین ہوتے ہیں، قضاۃ ہوتے ہیں جو لڑائی جھگڑوں کا تصفیہ کرتے ہیں، مقدمات کے فیصلے کرتے ہیں۔ اہل احتساب ہوتے ہیں یعنی پولس وغیرہ جو منکرات پر کنٹرول پاتے ہیں، سوسائٹی کو فواحش ومنکرات اور مجرمانہ حرکات سے محفوظ رکھتے ہیں، اور امیر المؤمنین اور خلیفہ مسلمانوں کے تمام مصالح کا نگراں ہوتا ہے، اور مساجد کے ائمہ نائب ہیں امیر المؤمنین کے، امام اکبر کے اور چونکہ یہاں حکومت اسلامی نہیں ہے اور امیر المؤمنین نہیں ہیں، اس لیے مساجد کے ائمہ ہی ان کے قائم مقام اور مصالح مسلمین کے محافظ اور نگراں ہیں۔ اس بنا پر ان کی ذمہ داری دوچند ہوجاتی ہے، محض پانچ وقت کی نماز پڑھا دینے سے ان کی ذمہ داری ختم نہیں ہوجاتی۔ وہ چوبیس گھنٹے کے لیے اللہ کے غلام ہیں، مسجد کی کمیٹی کی طرف سے مقرر کئے ہوئے ایک نوکر اور ملازم نہیں ہیں، اس ذہنیت سے

ملت کا کام انجام نہیں پا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته.** (ریاض الصالحین) تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس کے ماتحت جو لوگ ہیں ان سب کے بارے میں اس سے پوچھ ہوگی۔

لہٰذا ہر مسجد کا امام اپنے پورے حلقے کے لوگوں کا ذمہ دار، سربراہ اور جواب دہ ہے۔ ان سب کے بارے میں قیامت کے دن اس سے پوچھ ہوگی۔ آقا نے انہیں ذمہ دار بنایا ہے، جیسے بکری کے چرواہے سے بکریوں کے پورے ریور کے بارے میں پوچھ ہوتی ہے اور تمام بکریوں کی حفاظت اور نشو ونما اس کا فریضہ ہے اسی طرح ائمہ مساجد اپنے پورے حلقے کے ذمہ دار ہیں، جو حلقہ ان کے سپرد ہوا ہے ان کی دینی تربیت اور اصلاح کے وہ عنداللہ ذمہ دار ہیں۔

مسجد کی امامت، امامت صغری ہے اور پورے ملک کی امامت امامت کبری ہے۔ ان دونوں میں بڑا گہرا ربط اور تعلق ہے، یہ امامت صغری نکلی ہے امامت کبریٰ ہی سے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز کی امامت کے لیے اپنا نائب بنایا، یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ آپ کے بعد حضرت صدیق اکبر کو آپ کا خلیفہ بنایا جائے۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب امامت کبریٰ کا مسئلہ سامنے آیا اور صحابہ میں کچھ اختلاف رونما ہوا تو بالآخر اسی بنیاد پر سب نے صدیق اکبر کی امامت وخلافت پر اتفاق کیا کہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دین کے لیے یعنی نماز کی امامت کے لیے منتخب کیا انہیں کو دنیا کی امامت وخلافت کے لیے امام وامیر منتخب کیا جائے۔ اس لیے حکومت اسلامی کے فقدان کی صورت میں ہر مسجد کا امام اپنے اپنے حلقہ کا دینی سردار اور مسلمانوں کے مصالح کا نگراں ہے، ائمہ اپنے کو صرف پنج وقتہ نماز کا ذمہ دار نہ سمجھیں، انہیں اپنے نمازیوں، ان کے اہل وعیال اور پورے سماج کی اصلاح ودرستگی کی فکر ومحنت کرنی ہے اور مسجد کو آباد کرنے اور پوری آبادی کو اللہ کے گھر سے جوڑنے اور صحیح اسلامی معاشرہ تیار کرنے کی کوشش کرنی ہے۔

مؤذن کی ذمہ داریاں:

اذان دینا بڑی اہم ذمہ داری ہے، اس منصب کے لیے صالح، دیندار، متقی اور پرہیزگار آدمی کا انتخاب کرنا چاہئے۔ جس کی قوم میں عزت ووجاہت ہو اور جو صاحب علم ہو۔ ابوداؤد شریف

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

"**لیؤذن خیارکم**". (ابوداؤد:۱/۹۴)

تم میں سے اچھے لوگوں کو اذان دینا چاہئے۔

اس اہم کام پر ہر کس وناکس کو مامور نہیں کیا جاسکتا۔ اذان پر مسلمانوں کی دو اہم عبادتوں اور اسلام کے دو اہم اور بنیادی ارکان نماز اور روزہ کا مدار ہے۔ اگر اذان بے وقت ہو تو لوگوں کی نماز اور ان کا روزہ دونوں خراب ہوں گے، اس لیے مؤذن کے لیے عقل ودانش، صلاح وتقویٰ، نماز کے اوقات کا علم، سمت قبلہ کی جانکاری اور بقدر ضرورت کتاب وسنت کا علم ضروری ہے۔ اسی طرح مؤذن کو ذی وجاہت اور بارعب ہونا چاہئے کہ تاکہ وہ جماعت چھوڑنے والوں کو نصیحت اور تنبیہ کرسکے۔ اگر وہ بااثر نہ ہوگا تو اپنی ذمہ داری ادا نہ کرسکے گا اور اس کی تنبیہ کا لوگوں پر اثر نہ ہوگا اور صلاح وتقویٰ اس لیے ضروری ہے کہ اذان دینے کے لیے بسا اوقات مسجد کی چھت، مینار یا اونچی جگہ چڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے، اگر وہ دیندار اور صاحب تقویٰ نہ ہو تو آس پاس کے گھروں کی مستورات اور گھر کے اندرونی حصے پر نظر ڈالنے میں احتیاط نہیں کرے گا، اس لیے فاسق کی اذان مکروہ قرار دی گئی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وأهلية الأذان تعتمد بمعرفة القبلة والعلم بمواقيت الصلاة..... وينبغي أن يكون المؤذن رجلا عاقلاً صالحا تقيا عالما بالسنة..... وينبغي أن يكون مهيبا ويتفقد أحوال الناس ويزجر المتخلفين عن الجماعات.....وأن يكون محتسبا في أذانه.....والسنة أن يكون في موضع عال يكون أسمع لجيرانه ويرفع صوته ولايجهد نفسه. (الفتاویٰ الہندیہ:۱/۵۳-۵۵)

اذان کی اہلیت کا انحصار سمت قبلہ کی جانکاری اور اوقات نماز کے علم پر ہے.....مناسب یہ ہے کہ مؤذن عاقل، صالح، متقی اور سنت کا عالم آدمی ہو.....اور مناسبت یہ ہے کہ وہ بارعب ہو، اور وہ لوگوں کے احوال کی تفتیش کرے اور جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کو تنبیہ کرے..... اور یہ کہ پابندی سے اذان دے.....اور یہ کہ اپنی اذان پر کوئی اجرت نہ لے، اللہ سے ثواب کی امید رکھے، اور سنت یہ ہے کہ اذان بلند جگہ پر دی جائے کہ اس کے پڑوس میں رہنے والے لوگ

اچھی طرح سن لیں، اپنی آواز کو بلند کرے، لیکن اس میں اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالے۔

اذان دینا بڑے شرف وعزت اور اجروثواب کا کام ہے اور مؤذن کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے، مؤذن کو اس منصب کا احساس اور کام کی عظمت کا مکمل پاس ولحاظ کرنا چاہئے۔ اس عظیم الشان دینی خدمت کو معمولی اور حقیر نہیں سمجھنا چاہئے اور بلاوجہ احساس کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہئے، تمام مسلمانوں کو بھی اس کی عظمت کا احساس ہونا چاہئے اور مؤذن کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھنا چاہئے، اذان اسلام کا اہم شعار ہے اور ایسا شعار ہے کہ اگر کسی آبادی کے لوگ اس کے ترک پر اتفاق کرلیں تو ان سے جہاد اور قتال کرنے کا حکم ہے، اذان کی وجہ سے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اسلام میں بلند مقام ومرتبہ حاصل ہوا۔ حدیث کی رو سے اگر لوگوں کو اس کی فضیلت اور اجروثواب کا علم ہوجائے تو اس کے لیے قرعہ اندازی کی نوبت آئے، اذان کی فضیلت واہمیت سے متعلق ذیل میں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں:

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من اذن سبع سنين محتسبا كتب له برأة من النار. رواه مسلم. (مشکوۃ:۱/۶۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ثواب کی نیت سے (کسی اجرت) کے بغیر سات سال تک اذان دے تو اس کے لیے جہنم سے آزادی لکھ دی جاتی ہے۔

عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الامام ضامن، والمؤذن مؤتمن، اللهم ارشد الائمة واغفر للمؤذنين، رواه احمد وابوداؤد والترمذی۔ (مشکوۃ:۱/۶۴)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے، اے اللہ تو اماموں کی رہنمائی فرما اور مؤذن حضرات کی مغفرت فرما۔

مؤذن امین ہے یعنی اوقات کا ذمہ دار ہے کہ اگر وہ اذان میں گڑبڑ کردے تو لوگوں کی نماز خراب اور روزہ خراب ہوجائے، کیونکہ مسلمان اوقات کے سلسلہ میں اسی کی اذان اور آواز پر اعتماد کرتے ہیں، پس فاسق وفاجر اور غیر ذمہ دار شخص کو مؤذن بنانا اور یہ منصب سپرد کرنا اس

منصب کی توہین ہے۔اور ایسے تمام لوگ گنہگار ہوں گے۔

اسی کے ساتھ مؤذن کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ مسجد کی مجلس منتظمہ نے اذان کے علاوہ جو دوسری ذمہ داریاں اس پر ڈالی ہیں، مثلاً مسجد کی صفائی ستھرائی، مسجد کے تمام سامانوں کی حفاظت ونگرانی وغیرہ ان امور کو انجام دینا اور ان کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

مسجد کے متولی اور مجلس منتظمہ کی ذمہ داری:

مسجد کے متولی، سکریٹری اور کمیٹی کے دوسرے ارکان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دیندار، متقی پرہیزگار، متبع سنت اور پابند شریعت ہوں، تعلیم یافتہ، باوقار، ذی وجاہت اور اسلامی غیرت اور دینی حمیت کے حامل ہوں، اسی کے ساتھ دین کا بھی ضروری علم رکھتے ہوں، امانت دار اور مسائل وقف سے واقف ہوں تاکہ وقف کی جائداد کا صحیح نظم ونسق کرسکیں اور وقف اور دیگر مدات کی آمدنی کو محفوظ رکھ کر صحیح مصارف میں خرچ کرسکیں، خوش اخلاق، منصف مزاج اور علم دوست ہوں کہ علماء واصحاب علم اور صالح افراد کی تعظیم کریں، تجربہ کار، ہوش منداور بابصیرت وبااثر ہوں کہ مسجد کے نظم ونسق کو بہتر طور پر چلاسکیں اور تمام امور کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"**إن اولیائه إلا المتقون**". (الأنفال:۳۴)

مسجد حرام کے متولی صرف اللہ سے ڈرنے والے ہوسکتے ہیں۔

اگر امام یا مؤذن بحال کرنے کی ضرورت ہو تو اس اہم دینی منصب کی عظمت اور تقدس کا لحاظ رکھتے ہوئے اہل اور صالح افراد کا انتخاب کریں۔مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

وأولٰی الناس بالإمامة أعلمهم بالسنة..... فإن تساووا فأقرؤهم..... فإن تساووا فأورعهم، لقوله علیه السلام: من صلّٰی خلف عالم تقی فکأنما صلی خلف نبی، فإن تساووا فأسنهم، لقوله علیه السلام لا بنی أبی ملیکة ولیؤمکما أکبر کما سنا، ولأن فی تقدیمه تکثیر الجماعة. (الہدایۃ:۱/۱۲۲، باب الامامۃ)

تمام لوگوں میں امامت کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو سنت کا سب سے بڑا عالم ہو..... پس اگر اس صفت میں سب برابر ہوں تو وہ شخص زیادہ مستحق ہے جو قرآن کا سب سے بڑا قاری

.....پھر اگر اس صفت میں سب برابر ہوں تو وہ شخص مستحق ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی تو گویا اس نے کسی نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔ پھر اگر اس صفت میں سب برابر ہوں تو وہ شخص مستحق ہے جو زیادہ عمر والا ہو، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوملیکہ کے دو بیٹوں سے فرمایا تھا کہ تم دونوں میں جو بڑا ہو وہ امامت کرے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ زیادہ معمر آدمی کو آگے بڑھانے میں جماعت زیادہ ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو شخص ان اوصاف میں بڑھا ہوا ہو وہ دوسروں کے مقابلہ میں امامت کا زیادہ مستحق ہوگا، بہتر اور مستحق افراد کی موجودگی میں ان سے کم تر اور فروتر افراد کا انتخاب کرنا بڑی زیادتی اور خیانت کی بات ہے اور اس سلسلہ میں بڑی سخت وعید آئی ہے، ارشاد نبوی ہے:

"من قلّد إنسانا عملا وفی رعیته من هو أولی فقد خان اللّٰه ورسوله وجماعة المسلمین". (البحر الرائق، ردالمحتار: ۴/۴۲۳)

جو شخص کسی انسان کو کوئی ایسا کام سپرد کرے کہ اس کی رعیت میں اس سے بہتر آدمی موجود ہو تو اس نے اللہ کے ساتھ، اس کے رسول کے ساتھ اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ خیانت کی۔

دوسری روایت ہے:

"من قلّد رجلا علی عصابة وهو یجد فی تلک العصابة من هو أرضی للّٰه فقد خان اللّٰه وخان رسوله وخان المؤمنین". (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱/۱۰۰)

جو شخص کسی جماعت میں کسی کام کی ذمہ داری ایسے شخص کے سپرد کرے کہ اس میں ایسا شخص موجود ہو جو اس سے زیادہ اللہ کی رضامندی حاصل کرنے والا ہو تو اس نے اللہ کے ساتھ، اس کے رسول کے ساتھ اور مؤمنین کے ساتھ خیانت کی۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کمیٹی کے افراد منصب امامت واذان کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے امام اور مؤذن کا احترام ملحوظ رکھیں، ان کے ساتھ بدسلوکی اور توہین آمیز رویہ اختیار نہ کریں، متولیان مسجد خدام ہیں حکام نہیں، اس لیے حاکمانہ لب ولہجہ اختیار کرنے کے بجائے نرمی

سے بات کریں اور ماتحت افراد کو خیر خواہانہ انداز میں ان کی ذمہ داری یاد دلائیں اور اصلاح کی کوشش کریں۔ نہ کوئی شخص انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھے کہ یہ اس منصب کی بے حرمتی ہے جسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم قرار دیا ہے۔

نیز اگر وہ اپنی ذاتی مجبوری اور اس اہم ذمہ داری میں مصروف رہنے کی وجہ سے اپنے لیے کسب معاش کے ذرائع اختیار نہ کر سکتے ہوں تو ان کے لیے اتنے وظیفہ کا انتظام کریں جو ان کے گذر بسر کے لیے کافی ہو اور بروقت اسے ادا کرنے کی فکر کریں تاکہ وہ یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ اپنے فرائض اور مفوضہ ذمہ داریوں کو انجام دے سکیں۔

کمیٹی کے ذمہ دار افراد کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اس کا جائزہ لیتے رہیں کہ مسجد کا نظام صحیح چل رہا ہے یا نہیں؟ اگر اس سلسلے میں کوئی کمی اور کوتاہی نظر آئے تو متعلق افراد کو ان کے عہدہ اور منصب کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی طرف توجہ دلائیں اور اصلاح کی کوشش کریں۔

مسجد صرف خانۂ خدا اور عبادت کا مرکز ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ وہ دین کا اہم مرکز اور اسلام کا عظیم شعار اور تمام دینی سرگرمیوں کا کا مرکز ہے۔ جس کے گرد اسلامی زندگی کی چکی گھومتی ہے۔ اس لیے ضروی ہے کہ کمیٹی کے افراد مسجد کی عظمت واہمیت اور اس کے وسیع اور ہمہ گیر مقاصد ومصالح کو سمجھیں اور عہد رسالت اور عہد صحابہ میں مسجد کی جو حیثیت تھی اسے بحال کرنے کی کوشش کریں، مسجد تعلیم دین کا مرکز ہے، اس لیے اس میں دینی تعلیم کا بھی معقول نظم کریں، تاکہ اس حلقہ کے لوگ اس میں دین کا ضروری علم، شریعت کے مسائل اور احکام سے واقف ہو سکیں۔

اس کے لیے درس قرآن اور درس حدیث کا نظم کرنا، روزمرہ کے مسائل دریافت کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً مفتیان کرام کی خدمات حاصل کرنا، وقت کے اہم مسائل کے سلسلے میں شریعت کیا رہنمائی کرتی ہے، اس سے لوگوں کو واقف کرانے کے لیے علمی اجتماعات کا نظم کرنا اور ماہر علماء اور ارباب دانش کے خطبات کا نظم کرنا، بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا نظم کرنا اور اس کے لیے اساتذہ کی خدمات حاصل کرنا، دین کی دعوت وتبلیغ کی فکر کرنا، مسلم معاشرہ کی بددینی کو دور کرنے کی

کوشش کرنا، مسجد کو آباد کرنے کی فکر کرنا، خواتین کی اصلاح اور بہتر سماج کی تشکیل وتعمیر میں ان کے اہم کردار کے سلسلے میں ان کی رہنمائی کے لیے وعظ وارشاد کا اہتمام کرنا وغیرہ، اس نوعیت کے بہت سے علمی اور دینی کام ہیں جنہیں مسجد کی کمیٹی انجام دے سکتی ہے۔

تعمیر مسجد میں نمازیوں کی راحت وضرورت کی رعایت:

تعمیر مسجد میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ خود مسجد کی اور نمازیوں کی مسجد اور نماز سے متعلق ضرورتیں پوری ہوں۔ لہٰذا جہاں امام ومؤذن کے لیے رہائش کی ضرورت ہو تو اس کا نظم، اسی طرح استنجا خانوں اور طہارت خانوں کی تعمیر بھی ضروری ہے تاکہ لوگ ضرورت سے فارغ ہو کر اور طہارت حاصل کر کے یکسوئی کے ساتھ نماز پڑھ سکیں۔ مگر استنجا خانوں کا جائے وقوع ایسا ہو کہ بدبو مسجد تک نہ پہنچے، بہت سی جگہوں میں یہی صورت دیکھنے میں آتی ہے جب کہ لہسن، پیاز جیسی بدبودار چیزیں کھا کر مسجد جانے کی ممانعت احادیث میں وارد ہے اور اس کی علت یہ ہے کہ نمازیوں کو اور فرشتوں کو اذیت نہ پہنچے، لہٰذا اس علت کے پیش نظر استنجا خانوں کی بدبو کا مسجد میں پہنچنا بھی درست نہیں۔ لہٰذا یا تو استنجا خانے مسجد سے دور بنیں یا ان کی تعمیر میں اس کا خیال رکھا جائے کہ مسجد بدبو سے محفوظ رہے۔

اسی طرح آج کل جوتے چپلوں کی چوری بھی بہت سی جگہوں میں عام ہے، اس لیے ذمہ داران مساجد کو اس کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ اس مقصد کے لیے ایسے ڈبے وغیرہ بنادیں جن میں وہ محفوظ رہیں اور لوگ یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کرسکیں، ورنہ چوری کے خوف سے نماز کے خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوتا ہے جو نماز کی اصل روح ہے اور دل جوتے چپل میں اٹکا رہ جاتا ہے۔ یا پھر نماز کے اوقات میں نگرانی کا نظم ہو۔

اسی طرح تبلیغی جماعتیں عام طور پر مسجدوں میں قیام کرتی ہیں یوں تو مسافر کے لیے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں قیام کرنا درست ہے۔ لیکن اگر ان کے قیام وطعام اور دیگر ضروریات کے لیے الگ سے حجرے وغیرہ بنادیئے جائیں جیسا کہ بہت سی جگہوں میں اس کا نظم ہے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔()()()